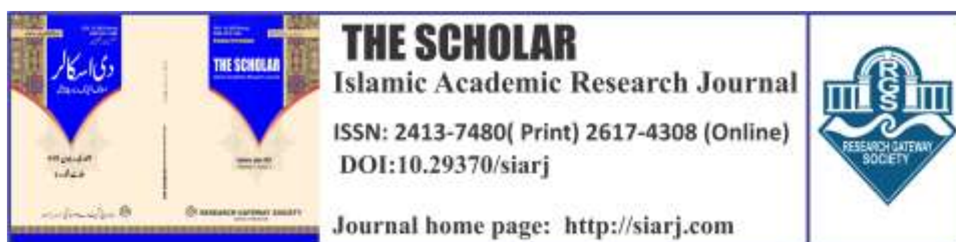


عصرِ حاضر کے تناظر میں غیر مسلموں سے تعلقات کے معاشرے پر اثرات

THE EFFECTS OF RELATIONSHIP WITH NON-MUSLIMS ON THE SOCIETY

1. **Abdul Latif**

Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.

Email: alatifsdk@gmail.com

ORCID ID:

https://orcid.org/0000-0001-8957-2379

2. **Zia ur Rehman**

Chairman/Associate Professor, Department Of Qur'anic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.

Email: zia.rehman@iub.edu.pk

ORCID ID:

https://orcid.org/0000-0002-4580-7970

To cite this article:

Abdul Latif, and Dr Zia ur Rehman. "THE EFFECTS OF RELATIONSHIP WITH NON-MUSLIMS ON THE SOCIETY." The Scholar-Islamic Academic Research Journal 7, No. 2 (December 29, 2021).

To link to this article: https://doi.org/10.29370/siarj/issue13urduar3

Journal	The Scholar Islamic Academic Research Journal Vol. 7, No. 2 || July -December 2021 || P. 34-54
Publisher	Research Gateway Society
DOI:	10.29370/siarj/issue13urduar3
URL:	https://doi.org/10.29370/siarj/ issue13urduar3
License:	Copyright c 2017 NC-SA 4.0
Journal homepage	www.siarj.com
Published online:	2021-12-29

عصرِ حاضر کے تناظر میں غیر مسلموں سے تعلقات کے معاشرے پر اثرات

THE EFFECTS OF RELATIONSHIP WITH NON-MUSLIMS ON THE SOCIETY

Abdul Latif, Zia ur Rehman

ABSTRACT:

Islam is the religion of peace and it preaches peace throughout the world. Its major purpose is to eradicate the evils and the troubles because of disbelief in the God Almighty and ethics. Islam promotes this ideology to raise the mankind to its true high level as a noble creation. Some less educated and shallow natured Muslims use the religion as a tool for destruction and ill-treat the non-Muslims and cause their humiliation. Their cruel attitude causes disrepute of Islam. If someone does not feel himself or herself safe in an Islamic society then it is a question mark on the nobleness and the peacefulness of that society. If a non-Muslim does anything against the Islamic values or commits anything which is disrespectful to Islam, it's a condemnable act but before inflicting any punishment there should be solid proofs. Such persons can be killed or punished freely without any judgment by the court of law because some Islamic laws can not be applied on the non-Muslims.

KEYWORDS: Relationship, Non-Muslim, Effects, Society

کلیدی الفاظ: تعلقات، غیر مسلم،اثرات، معاشرہ۔

تمہید:

اسلام امن و آشتی کا دین ہے ،اور ہر خطہ ارضی میں امن و سلامتی ہی کا داعی ہے۔کفر کے فتنے اور فساد کی حائل رکاوٹیں ختم کرکے پرامن معاشرے کا قیام اولین مقصد ہے۔اسلام کا اس نظریے کو اپنانے کا مقصد حیاتِ انسانی کو معراج تک پہنچانا ہے۔اسلام امن پرست ،انسانیت نواز اور انسانیت دوست مذہب ہے۔وہ مذہبی مسائل میں جبر و

اکراہ کا قائل نہیں ہے۔اور اسی لئے اسلام قبول نہ کرنے والوں سے ان کا سماجی بائیکاٹ نہیں کرتا۔اور نہ ہی ان لوگوں کو دشمنی، عداوت و اور نفرت پر بھڑکاتا ہے۔اور نہ ہی ان کے حقوق تلف کرنے کی اجازت دیتا ہے، بلکہ تمام شہری اور انسانی حقوق جو کسی انسان کو مل سکتے ہیں۔

بعض کم ظرف اور کم علم مسلمان مذہبی لبادہ اوڑھ کر غیر مسلموں سے نہایت ظالمانہ طرزِ عملاور رویہ اختیار کر کے اقوامِ عالم میں دین، اسلام کی ساکھ کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔وہ معاشرہ اسلامی کیسے ہو سکتا ہے؟ جس کے غیر مسلم طبقات بھی اس کے پر امن ہونے پر فخر نہ کرتے ہوں۔اگر کسی غیر مسلم سے توہین مذہب کے سلسلے میں کوئی عمل سرزد ہو، تو بلاشبہ توہین مذہب ایک انتہائی سنگین جرم ہے، لیکن ملزم سے اس کے ثبوت بھی اتنے ہی مضبوط ہونے ضروری ہیں،

کسی پر یہ سنگین الزام لگا کر خود ہی اسے وحشیانہ اور حرام طریقے سے سزا دینے کا کوئی جواز نہیں۔عصر حاضر میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین فاصلے قدرے ختم ہوتے جارہے ہیں، اور ایک ہی معاشرے اور وطن کے اندر آپس میں رہائش کے مواقع سامنے آرہے ہیں۔ماضی کی بنسبت موجودہ دور میں آپس میں ربط و تعلق کی نوبت و ضرورت زیادہ پیش آرہی ہے۔اور اس کے ساتھ بہت سے مقامات پر اپنوں کی سادگی اور غیروں کی عیاری کی وجہ سے ناقابل بیان نتائج بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔ان بنیادی وجوہات کی وجہ سے ضرورت اس امر کی ہے، کہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ربط و تعلق کی مختلف نوعیتوں اور ان کے شرعی مسائل و احکام کو علمی و عملی سطح پر پوری طور پر واضح کیا جائے۔

لیکن ان تمام وجوہات کے باوجود زیر بحث مسئلہ کے حوالے سے امت مسلمہ کا موجودہ طرزِ عمل نہایت اندوہناک اور انتہائی افسوسناک ہے۔امت مسلمہ کے اکثر افراد نے تو اس مسئلہ کو علمی طور پر کوئی اہمیت دی، اور نہ ہی عملی زندگی اس کو کوئی مقام دینے کے لیے تیار ہیں۔قرآن و سنت کی واضح احکام کے برخلاف کی خوش فہمیوں اور بہت سے لوگ احساس کمتری کی دلدل میں کچھ اس طرح پھنس چکے ہیں، کہ اب ان کے لیے اس مسئلہ کی توضیح و تشریح کرنا، بلکہ اس کو اسلامی احکام کا درجہ دینا ہی خود ساختہ شرم وحیاء کا موجب گردانا جاتا ہے۔صرف چند افراد کے علاوہ بہت سے اہلِ علم بھی کچھ غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔

عصرِ حاضر میں اسباب و محرکات کے تناظر میں غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد مقیم ہے۔وہ اپنے ماحول اور حالات کے لحاظ سے پوری طرح سے مطمئن ہے۔اس صورتحال کے بناپر وہ وہاں سے واپسی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ان ممالک میں غیر اسلامی نظام، سماجی روایات اور قانون کی بنا پر متعدد مشکلات و مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ان

مسائل کا حل پیش کرنا اور ان پر غور و فکر کرنا اہل علم کا فرض ہے۔ موجودہ میں ان پر شریعت اسلامی کی روح و مزاج اور اسلامی اصولوں و قوانین کے تناظر میں پوری دقت نظری کے ساتھ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

غیر مسلم ملکوں میں جہاں بھی مسلمان آباد ہیں، وہاں پر ان کو بہت سے ایسے مسائل در پیش ہیں، جو ان کے دین و مذہب کے موافق نہیں ہیں۔ اور ان کو ان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور ان مسائل سے گزر کر ان کو زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ ایسے نازک حالات میں وہ اپنے آپ کو بڑی مصیبت میں مبتلا پاتے ہیں۔ ایسے مشکل حالات میں دینِ اسلام نے مسلمانوں کے لئے ضرورت کے پیش نظر رہنمائی کی ہے۔

عہدِ رسالت ﷺ میں اہلِ اسلام نے تین طرح کی زندگی گزاری ہے۔ مکی دور میں جہاں قریش بر سر اقتدار تھے، اور ان کے زیرِ اقتدار مسلمان زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہاں ان کو مذہبی آزادی حاصل نہ تھی۔ وہ خفیہ طور پر عبادت اور دیگر دینی امور سر انجام دے رہے تھے۔ اور طرح طرح کی صعوبتوں، مصائب و آلام کا شکار تھے۔ خود سید المرسلین ﷺ (جن کو قریش مکہ صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے تھے) کو بھی سرِ عام عبادت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ مسلمان شب و روز مظالم کا شکار تھے۔ عیسائیوں کی حکمرانی میں حبشہ کی طرف ان کو مجبور ہو کر ہجرت کرنا پڑی۔ قریش مکہ نے وہاں بھی ان کا تعاقب کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ پھر وہ وقت آیا کہ حکمِ خداوندی سے خود رسولِ معظم ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اور وہاں تبلیغ اور اشاعت اسلام کی خدمت انجام دیں، اور در حقیقت یہی اسلام کے عروج کا زمانہ تھا۔ اور اس مدنی دور میں چھوٹے بڑے چوہتر معرکے سر انجام دیے۔

اسلام ایک عالم گیر اور آفاقی مذہب ہے۔ قرآن و سنت اور سیرتِ نبویہ ﷺ کی صورت میں اس نے جو تعلیمات پیش کی ہیں۔ وہ ہر دور میں انسانی تاریخ کے لیے کافی ہیں۔ بشر طیکہ ہمارے پاس چشمِ بینا اور دلِ دانا موجود ہو۔

قرآن مجید کا نزول تدریجاً ہوا۔ سیرتِ رسول ﷺ کے اخلاقی اور قانونی نمونے آہستہ آہستہ دنیا کے سامنے آئے۔ یقیناً تدریجی احکام میں اسلام اور مسلمانوں کے حق میں دنیا کے سماجی اور سیاسی حالات کا دخل تھا۔ اگر سیرتِ طیبہ اور مکمل قانون کے تمام اخلاقی نمونے ایک ہی دفعہ پیش کر دیے جاتے، تو ممکن تھا، کہ حالات میں ان کے تحمل کی گنجائش نہ ہوتی۔ اس لئے قانون میں تدریجی عمل کے لحاظ سے ایک طرف حالات کے تغیر و تبدل کی رعایت کی گئی، تو دوسری جانب مسلمانوں کے حق میں مخصوص احوال و حالات کی تعمیر و ترقی اور مطلوبہ معاشرہ کی تشکیل نو کا عمل بھی جاری رکھا گیا۔

عموماً یہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت بھی ہے، کہ ابتدائے اسلام کے احکام اسلام کے دور عروج کے احکام کے ذریعہ منسوخ ہو گئے۔ اور اسی طرح سابقہ احکام اگلے احکام سے منسوخ ہوتے چلے گئے، لیکن یہ تصور حکومتِ اسلامیہ کے

داخلی مسائل، عبادات اور مسلمانوں کے باہمی معاملات کی حد تک تو درست ہے۔ لیکن مسلمانوں کے غیر مسلم اقوام سے ان کے سماجی، سیاسی تعلقات اور خارجی مسائل اس عموم میں داخل کرنا مناسب نہیں۔اس سلسلے میں اسلامی احکامات میں جو تغیرات نظر آتے ہیں یا سیرت نبویہ ﷺ کے عملی نمونوں میں جو فرق نظر آتا ہے۔ان میں نسخ سے زیادہ تبدیلی واقعات و حالات کا دخل معلوم ہوتا ہے۔ان حالات کے تغیر کی بناپر جو احکام عائد ہوں،ان کا نام نسخ نہیں، بلکہ تطبیق ہے۔ایک ماہر قانون اور فقیہ کے لیے ضروری ہے، کہ وہ غور و فکر کے ذریعے اس قسم کے احکام کو حالات پر منطبق کرے۔ عصرِ حاضر میں خیر القرون کے مجتہدین تو پیدا نہیں ہو سکتے، لیکن اس درجہ کو قوتِ ادراک اور امتیاز تو پیدا ہو سکتا ہے۔ جس کے ذریعے انسان مدارج احکام کی معرفت حاصل کر کے ہر حکم کو اس کے صحیح محمل پر رکھ سکے۔

عہدِ نبوی کے ادوار ثلاثہ:

غیر مسلموں سے تعلقات اور مسلمانوں کے خارجہ مسائل کے حوالے سے ہمارے سامنے عہدِ رسالت مآب ﷺ میں اسلامی ادوار کے تین نمونے ہیں۔ 1۔ مکی دور 2۔ حبشہ میں قیام کا دور 3۔ مدنی دور

یہ ادوارِ ثلاثہ مسلمانوں کے ہر دور کے مسائل کے لئے بنیادی ہدایات فراہم کرتے ہیں،اور دراصل یہ تینوں ادوار مسلمانوں کی سیاسی صورتحال کے تین علامتی نمونے ہیں۔

1۔ مکی دور: یہ دور مسلمانوں کی مغلوبی حالت کی علامت ہے۔یعنی ایسا معاشرہ جس میں مسلمانوں کی سیاسی صورتحال غیر مسلموں کے مقابلے میں کمزور ہو۔اور غیر مسلموں کی مضبوط اکثریت کے درمیان مسلمان ایک کمزور اقلیت کی صورت میں زندگی بسر کر رہے ہوں، جہاں پر نہ اسلامی احکام پر آزادانہ عمل کی گنجائش ہو،اور نہ ہی کسی قسم کی مذہبی اور قومی تنظیم سازی کی آزادی ہو۔

2۔ حبشہ میں قیام کا دور : حبشہ میں قیام کا دور مسلمانوں کی حالتِ آزادی کی علامت ہے۔یعنی ایسا معاشرہ جس میں مسلمان قومی اور سیاسی طور پر تو اقلیت میں ہوں۔ لیکن وہاں مذہبی طور پر وہ آزاد ہوں۔اور مسلمان اقلیت ہونے کے باوجود غیر مسلم اکثریت کے درمیان باوقار اور باعزت زندگی گزار رہے ہوں۔ جہاں پر مسلمانوں کو اپنی قومی اور سیاسی خدمات پیش کرنے کا کھلے عام اختیار حاصل ہو۔ حبشہ میں نجاشی کی حکومت قائم تھی۔اس طرح کی شہنشاہی حکومت میں عوام کو حکومت کی تشکیل کا موقع نہیں ملتا۔ لیکن قیامِ حبشہ کے دوران مسلمانوں کو اپنی سیاسی اور فوجی

خدمات پیش کرنے کی اجازت تھی۔ جیسا کہ ایک جنگ کے موقع پر حبشہ میں مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فوجی خدمات سرانجام دیں۔[1]

3۔ مدنی دور : ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کا قیام حالتِ غلبہ کی علامت ہے۔ البتہ مدنی دور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ابتدائی دور میں مسلمانوں کی سیاسی قوت کی تعمیر و تشکیل کا دور ہے۔ جس میں مسلمان اکثریت کے باوجود دوسری غیر مسلم اقلیت کے ساتھ سیاسی میثاق و معاہدہ کرتے ہیں ۔تاکہ ان کے اشتراک یا ان کی جانب سے حصولِ اطمینان کے بعد مسلمان اپنی ہر قسم کی صورتحال کو مستحکم کرنے میں مشغول ہو سکیں۔ اور رفتہ رفتہ ایک طاقت میں تبدیل ہو سکیں۔ چنانچہ مدنی دور کے ابتدائی حصہ میں جو معاشرہ تشکیل دیا گیا۔ اس میں یہود بھی ایک اہم عنصر کی حیثیت سے شامل تھے ۔اس میں غیر مسلم اقلیتوں کو بہت سی مراعات دی گئیں۔ اور حتی الامکان مسلمان اپنے خارجی اور دفاعی مسائل میں غیر مسلموں کے عملی اشتراک کو بہت اہمیت دیتے تھے ۔اس سلسلے کے ساتھ ساتھ مسلمان اپنی دعوتی جدوجہد، اخلاقی قوت اور تنظیمی صلاحیتوں کے ذریعے مضبوط اور مستحکم ہوتے چلے گئے۔

پھر مدنی دور کا آخری مرحلہ شروع ہوا۔ جو مسلمانوں کے خالص غلبہ کا سلامتی دور ہے۔ جس میں غیر مسلم اقلیتیں ایک مغلوب قوت کی حیثیت سے رہ سکتی تھیں۔ اقتصادی اور مذہبی معاملات میں آزادی کے باوجود سیاسی مسائل میں مسلمانوں پر دخیل نہیں ہو سکتی تھیں۔ یہ سلسلہ عہدِ نبوی کے آخر تک برقرار رہا۔ اور اس میں جغرافیائی طور پر وسعت پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ عہدِ نبوی میں ہی عرب کا زیادہ تر علاقہ اسلام کے اس دور کے غلبہ کے دائرہ میں داخل ہو گیا تھا۔ اور غیر مسلموں سے تعلقات کا دائرہ سماجی اور اخلاقی طور پر پوری طرح ہونے کے باوجود کم از کم دفاعی اور سیاسی سطح پر بہت زیادہ محدود ہو گیا تھا۔ بعد از عہدِ نبوت خلافتِ راشدہ کے دور میں اسی دور غلبہ میں جغرافیائی طور پر وسعت پیدا ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ مسلمان روئے زمین کی سب سے بڑی طاقت بن کر ابھرے۔ اور مسلمانوں نے کئی صدیوں تک ایک غالب قوم کی حیثیت سے کئی قوموں اور ملکوں پر بڑی شان و شوکت سے حکمرانی کی۔

[1]-.Akhter Emam Adil,Molana,Ghair Muslim Mamalik Mn Musalmano Ke Msaiel,published Jamia Rabbani Mnora Sharif,Samstipur Behar,Sun Nadarad,(12)

غیر مسلموں سے سماجی تعلقات:

جہاں تک غیر مسلموں سے معاشرتی تعلقات یعنی مالی لین دین کے مسائل اور ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شرکت کا تعلق ہے، تو دینِ اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ اسلام امن پرست، انسانیت نواز اور انسانیت دوست مذہب ہے۔ وہ مذہبی مسائل میں جبر واکراہ کا قائل نہیں ہے۔ اور اسی لئے اسلام قبول نہ کرنے والوں سے ان کا سماجی بائیکاٹ نہیں کرتا۔ اور نہ ہی ان لوگوں کو دشمنی، عداوت واور نفرت پر بھڑکاتا ہے۔ اور نہ ہی ان کے حقوق تلف کرنے کی اجازت دیتا ہے، بلکہ تمام شہری اور انسانی حقوق جو کسی انسان کو مل سکتے ہیں، دینے کی ترغیب دیتا ہے۔

بعض کم اہل علم قرآن پاک کی ان آیات سے غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں، جن میں غیر مسلموں سے دوستانہ تعلقات سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔" لَا يَتَّخِذ الْمُؤْمُنونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُون الْمُؤْمنينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْء إِلاَّ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُم اللَّهُ نَفْسَهُ وإِلَى اللَّهِ الْمَصير"[2]

ترجمہ: مومن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں، جو ایسا کرے گا، اس کا اللہ سے کچھ بھی تعلق نہ ہو گا۔ مگر یہ کہ تم ان سے بچاؤ کرو۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

اسی طرح سورۃ التوبہ کی میں ارشاد ہے۔ يَاأَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا لَا تَتَّخذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِن اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئكَ هُمُ الظَّالمونَ۔[3]

"مومنو اپنے باپ اور بھائیوں کو اگر وہ ایمان کے بر خلاف کفر سے محبت رکھیں، تو دوست مت بناؤ۔ ان میں سے جو لوگ ان سے دوستی رکھیں گے، وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہوں گے"۔

حالانکہ یہ آیات جنگ کے حکم اور کشیدگی کے حالات کے لئے نازل ہوئیں۔ اور ان غیر مسلموں کے لیے جو اسلام اور مسلمانوں سے مختلف محاذوں پر برسرِ پیکار ہیں۔ ایسے حالات میں تو ہر قوم اور ہر مذہب اپنے دشمن سے قطع تعلق کو ضروری قرار دیتا ہے۔ ان حالات اور دشمن کے سازشی منصوبوں کی طرف قرآن کریم کی بعض آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔" يَاأَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا لَا تَتَّخذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظ المينَ () فَتَرَى الَّذينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَى مَا أَسَرُّوا

2-Al-Quran, Ale-Imran,2(28)
3- Al-Quran,Al-Toba,9(28)

فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ"[4] ترجمہ: مومنو! یہود و نصاریٰ کو رفیق مت بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اور جو کہ تم میں سے جو ان سے دوستی کرے وہ ان میں سے ہے۔ اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔ اب تو ان کو دیکھتا ہے، جن کے دلوں میں مرض ہے۔ وہ دوڑ کر ان سے جا ملتے ہیں، کہتے ہیں ہم کو ڈر ہے، کہ ہم پر کوئی گردش نہ آئے، تو اللہ شاید جلد (مسلمانوں کے لیے) فتح یا (ان کی کامیابی کی) کوئی اور بات اپنی طرف سے بھیجے۔ پھر وہ اپنے دل کی پوشیدہ بات پر پچھتانے لگیں"۔

اسی طرح سورۃ مائدہ میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔" يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ"[5] ترجمہ: "اے اہل ایمان! اہل کتاب اور کفار کو جو تمہارے دین کو ہنسی مذاق بناتے ہیں، اپنا دوست مت بناؤ۔ اگر یقین رکھتے ہو، تو خدا سے ڈرو"۔

مذکورہ تمہید کے بعد اب ان مسائل کا تذکرہ ضروری ہے، جو مسلم معاشرے کو غیر مسلم سماج سے پیش آتے ہیں۔

غیر مسلموں کے تہواروں میں مسلم قصابوں کی خدمات کا جائزہ

غیر مسلم اپنے تہواروں کے موقع پر مسلم قصاب سے جانور ذبح کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔ ایسی صورتحال میں اگر جانور بتوں کے سامنے ذبح نہ کیا جائے ، بلکہ الگ مقام پر بتوں سے دور ذبح کیے جائیں۔ تو مسلم قصاب کے لیے یہ خدمت سرانجام دینے کی گنجائش ہوگی۔ کہ وہ غیر مسلموں سے تعلقات کی وجہ سے ان کے جانور ذبح کردیں۔ اور اس خدمت پر اجرت بھی لے سکتے ہیں۔

اگرچہ اس جزوی مسئلہ میں کسی مذہبی تہوار کا ذکر نہیں ہے، لیکن اگر یہ جانور بتوں کے نام پر یا بتوں کے سامنے ذبح نہ ہوں۔ تو اس مسئلہ کے عموم سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ صراحت" انما الخمر والمیسر والانصاب۔۔ والی آیت کے تحت داخل ہوگا، اور یہ بدترین گناہ ہے۔ اور اگر خاص طور پر غیر مسلموں کے مذہبی شعار کا معاملہ ہو، تو بھی معصیت میں تعاون کی اجازت نہیں۔ اور تفسیر روح المعانی میں "الانصاب" کی تفسیر یہ کی گئی ہے ۔"والانصاب وھی الاصنام المنصوبۃ[6]۔ ترجمہ: انصاب سے مراد وہ بت ہیں۔ جو عبادت کے لیے نصب کیے گئے ہوں،

4- Al-Quran,Al-Maida,5(51.52)
5- Al-Quran,Al-Maida,5(57)
6-Allama,Aaloosi,Mehmood,Rooh-Ul Maani,Al-Maktabat-Ul-Rashdia, Saoodia, Riaz, Published, Lahore,Vol-9(15)

اور اس کے پاس مشرکین جانور ذبح کرتے ہوں۔ اور بت سے مراد تراشا ہوا مجسمہ ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مخلوق ہو، جس کے ساتھ بت والا معاملہ کیا جائے۔

غیر مسلموں کے ساتھ خوشی و غم میں شرکت کرنا

انسانی اور باہمی سماجی تعلقات کی بناپر ایک دوسرے کی خوشی و غم میں شرکت کی ضرورت پڑتی ہے، دین اسلام اس کی اجازت دیتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ خلافِ شرع امور میں سے کسی کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر مسلم کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ صحیح بخاری اور ابو داؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔" كَانَ غُلامٌ يهوديٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ، (ﷺ) ، فَمرِضَ، فَأَتَاهُ الرسول يَعُودُه، فَقعَدَ عنْدَ رأْسه فَقَالَ لَهُ: (أَسْلمْ) ، فَنَظَرَ إِلَى أَبيه، وهو عنْدَه، فَقَالَ لَهُ: أَطعْ أَبَا الْقَاسم، فَخَرجَ النَّبِيُّ (ﷺ) ، وهو يَقُولُ: (الْحَمْدُ لله الذى أَنْقَذَهُ من النَّار "[7]

ترجمہ: ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوا، تو رسول اللہ ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اور اس کے سرہانے تشریف فرما تھے، تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے فرمایا کہ مسلمان ہو جا! وہ اپنے باپ کی طرف متوجہ ہوا جو وہیں پر موجود تھا، اس کے باپ نے کہا، کہ ابو القاسم کی بات مان لے۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر حضور ﷺ اس کے پاس سے یہ کہتے ہوئے تشریف لائے کہ اللہ کا شکر ہے، جس نے میرے ذریعے اس کو آگ سے نجات عطا فرمائی۔

بعض اہل علم نے اس حدیث کی تشریح میں یہ وضاحت پیش کی ہے، کہ اگر اسلام کی دعوت دینے سے یہ امید ہو، کہ وہ دعوت قبول کرے گا، تو اس کی عیادت کر سکتے ہیں۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو، تو عیادت کی اجازت نہیں۔ لیکن بعض اہل علم نے اس قول کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ حدیث مبارک میں ایسی کوئی قید نہیں ہے بلکہ مختلف مصالح اور مقاصد کے پیش نظر (جن میں انسانی اور سماجی تعلقات شامل ہیں) عیادت کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

غیر مسلم پڑوسی کے حقوق:

فقہ حنفی کی کتاب "الاشباہ والنظائر میں علامہ ابن نجیمؒ رقمطراز ہیں، کہ غیر مسلم پڑوسی کی ضیافت اور عیادت مکروہ نہیں ہے۔ اور اس کے حاشیہ میں علامہ حمویؒ رقمطراز ہیں کہ جامع الصغیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ پڑوسی کی

---

[7]-Ibne Bital,Abu-Alhassan,Ali Bin Khalaf,Sharah Sahih Bokhari,Maktaba Al-Rushd, Saoodia, Riaz, Published, 2003,Vol-3(340)

قید صرف اتفاقی ہے ،اس لیے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ علیہ کی روایت کے مطابق نصاریٰ کی عیادت جائز ہے۔اسی نظریے کے پیش نظر بعض فقہائے احناف نے مجوسی کی عیادت کو بھی جائز قرار دیا ہے[8]۔امام ابو یوسف رحمۃاللہ علیہ "کتاب الخراج"میں فرماتے ہیں" سَأَلْتُ أَبَا حَنِيفَةَ: رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَنِ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ يَمُوتُ لَهُ الْوَلَدُ أَوِ الْقَرَابَةُ كَيْفَ يُعَزَّى؟ قَالَ: يَقُولُ: "إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْمَوْتَ عَلَى خَلْقِه، فَنَسْأَلُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَه خير غَائِب يُنْتَظَرُ، وَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ"ترجمہ: میں نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا۔کہ اگر نصرانی یایہودی کا لڑکا یا کوئی رشتہ دار فوت ہو جائے۔تو اس کی تعزیت کیسے کرنی چاہیے ؟فرمایا"اس موقع پر یہ الفاظ کہنے چاہیئں ۔بیشک موت بر حق ہے۔اللہ آپ کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔انا للہ و انا الیہ راجعون مصیبت پر صبر کریں۔

اور ساتھ یہ بھی فرمایا"کہ حضرت حسن بصریؒ کے پاس ایک نصرانی آپ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔جب اس کی موت واقع ہوئی،تو حضرت حسن بصریؒ اس کے گھر تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔[9]

غیر مسلم کی تجہیز و تکفین میں شرکت کرنا

غیر مسلم کی تجہیز و تکفین یا جنازہ میں شرکت کرنا کیسے ہے ؟اہل علم کی عبارات سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے،کہ اگر انتقال کرنے والا غیر مسلم کسی مسلمان کا قریبی رشتہ دار ہو۔اور اس سے زیادہ قریب ترین کوئی اور تعلق والا شخص موجود نہ ہو۔جو اس کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری نبھا سکے،تو اس صورت میں اس شخص کے لئے اپنے غیر مسلم رشتہ دار کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری نبھانا اور اس میں شرکت کرنا جائز ہے۔اس وقت تجہیز و تکفین میں شرکت کا اصل ماخذ حضرت ابو طالب کے انتقال کا واقعہ ہے۔

جب جناب ابو طالب کا انتقال ہوا،اور رسول معظم ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے چچا کے انتقال کی خبر دی ۔تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو ان کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔اس لیے کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ بحیثیت بیٹا ان سے زیادہ قریب تھے۔اور یہ روایت مختلف طرق سے مختلف کتب میں مروی ہے۔[10]

8-Ibne Nojaim,Al –Ashbah Wanzaer,Ahkam Alzmmi,Published,Dar-Ul-Kutab Al-Ilmia,Bairoot,Lubnan(351)

9-Abu Yousaf,Yaqoob Bin Ibrahim,Kitab Ul Khraj,Almaktab Azhariyya Litras,Vol-1(235)

10- Ibne Bital,Abu-Alhassan,Ali Bin Khalaf,Sharah Sahih Bokhari,Maktaba Al-Rushd,Saoodia,Riaz,Published,2003,Vol-3(352)

اسی طرح حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے دار قطنی کی روایت ہے، کہ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالی عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی نصرانی ماں کے انتقال کی خبر دی۔ اور عرض کیا کہ میں اس کی نماز جنازہ میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ارکب دابتک وسر امامها فانک اذا کنت امامهالم تکن معها"۔ ترجمہ: اپنی سواری پر سوار ہو کر جنازے سے آگے آگے چلو۔ آگے چلنے کا مطلب یہ ہو گا، کہ تم اس جنازہ کے ساتھ نہیں ہو۔ (اور جبکہ لوگ تم کو ساتھ سمجھ رہے ہوں گے ۔) یعنی اس حکمتِ عملی کے پیش نظر صورتاً تمہاری شرکت ہو جائے گی لیکن حقیقتاً نہیں ہو گی۔

فقہاء احناف کے ساتھ اکثر اہل علم حضرت ابو طالب کی تجہیز و تکفین والی روایت کو اس موضوع کے متعلق اصل ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اور یہ حکم بیان کرتے ہیں، کہ غیر مسلم کا اگر کوئی قریبی متبادل شخص موجود ہو، تو شرکت سے احتیاط کرنا افضل ہے۔ اور اس کے برعکس تجہیز و تکفین میں شرکت کی اجازت ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے در مختار میں فرماتے ہیں۔ "ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبه الکافر الاصلی عن الاحتیاج فلوله قریب فاولی ترکه لهم"۔[11]

ترجمہ: مسلمان اپنے قریب ترین کافر رشتہ دار کی تجہیز و تکفین اور تدفین وغیرہ میں بوقت ضرورت شریک ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی اور رشتہ دار ہو، تو چھوڑ دینا افضل ہے۔

اگر غیر مسلم رشتہ دار کے انتقال کے وقت کوئی قریب ترین رشتہ داروں کا موجود نہ ہو۔ یعنی کوئی غیر مسلم بھی اس کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار نہ ہو۔ ایسی صورتحال میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ اس کی تجہیز و تکفین کریں۔ اس حکم کا اصل ماخذ غزوہ بدر کے موقع پر خود رسول اکرم ﷺ کا عمل ہے۔ حضور ﷺ نے بدر کے تمام غیر مسلم مقتولین کو اپنی زیر نگرانی دفن کروایا۔ اس لیے کفارِ مکہ شکستِ فاش کے بعد میدان چھوڑ کر

[11]-Al-Shami,Ibne Aabedin,Dure Mukhtar,Slat-Ul-Jnaez,Dar-Ul-Fikar,Bairoot,Vol,2(230)

The Scholar Islamic Academic Research Journal
Vol. 7, No. 2 || July –December 2021 || P. 34-54
https://doi.org/10.29370/siarj/issue13urduar3

بھاگ گئے تھے۔اسی طرح وہ غیر مسلم جن سے صرف انسانی یا سماجی تعلق ہو،اور ان کی تجہیز و تکفین کرنے والے دوسرے لوگ موجود نہ ہوں۔ایسے لوگوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں شرکت کے لئے عبداللہ بن ابی کے جنازہ میں رسول اکرم ﷺ کی شرکت کو ماخذ بنایا جاسکتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے رسولِ اکرم ﷺ عبداللہ بن عبداللہ کی خواہش پر عبداللہ بن ابی کی قبر کے پاس اس وقت تشریف لائے،جب اس کو قبر کے گڑھے میں رکھا جاچکا تھا،تو آپ ﷺ نے اس کو نکالنے کا حکم دیا۔اور اس کا سر اپنے گھٹنے پر رکھ کر اپنا لعاب مبارک اس کے کفن پر ڈالا اور پھر اس کو اپنی قمیض پہنا کر دفن کرنے کا حکم دیا۔[12]

ایسا عمل آپ صلی اللہ وسلم نے کیوں کیا؟حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کا خیال ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی نے رسول معظم ﷺ کے چچا حضرت عباس کو کپڑا دیا تھا،یہ اسی کا بدلہ تھا۔(ایضاً حوالہ بالا)

لیکن اسی عمل کے بارے میں بعض اہل علم نے ایک دینی مصلحت کا تذکرہ فرمایا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے جب آپ سے اس کی وجہ دریافت کی؟تو فرمایا!میر العاب یا کفن اس کو نفع تو نہیں دے گا۔لیکن اس کے ساتھ میرا یہ حسنِ سلوک،امید ہے،کہ اس کی قوم کے اسلام لانے کا سبب بن جائے۔چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے،کہ آپ ﷺ کے اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر قبیلہ خزرج کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہوئے۔[13] لیکن اللہ تعالی نے ان تمام مصالح کے باوجود حضور اکرم ﷺ کو اس عمل کے باقی رکھنے سے منع فرمایا۔اور آپ ﷺ کو کسی بھی مشرک کی قبر پر جانے یا اس کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے سے روک دیا گیا۔چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے۔ **وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ**-[14]

ترجمہ:(اے پیغمبر) آپ کسی غیر مسلم پر کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں،اور نہ ہی ان کی قبر پر کھڑے ہوں۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے،کہ بغیر ضرورت غیر مسلم کی نماز جنازہ یا اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی اجازت نہیں ہے۔خاص طور پر اس وقت جب کہ تمام اعمال ورسوم غیر اسلامی طریقے پر انجام دیے جائیں اور غیر شرعی امور

12-Al-Tibraizi,Muhammad Bin Khatib,Mishkat,Published,Qadeemi Kutab Khana,(144)
13-Al -Tabri,Abne Jarir,Tafseer Jame Ul Bayan,Published,Dar-Ul-Fikar,Vol,4(240)
14-Al-Quran,Al-Toba,9(84)

The Scholar Islamic Academic Research Journal
Vol. 7, No. 2 || July –December 2021 || P. 34-54
https://doi.org/10.29370/siarj/issue13urduar3

کاارتکاب بھی ہو۔اس لئے عام حالات میں مسلمانوں کے لئے عمومی طور پر بلاضرورت اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

غیر مسلموں سے تحائف کا تبادلہ کرنا:

غیر مسلموں سے جائز مصالح اور مقاصد کے تحت عام حالات میں ہدایا اور تحائف کا تبادلہ جائز ہے۔البتہ مخصوص حالات کے تناظر میں احتیاط بہتر ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے اس سلسلے میں دونوں طرح کا عمل منقول ہے۔آپ ﷺ نے کئی غیر مسلموں کے ہدایا قبول فرمائے،اور بعض کو خود بھی ہدایا دیے، جبکہ کئی غیر مسلموں کے ہدایا آپ ﷺ نے رد فرما دیے۔

مقوقس(قبطی رئیس ،شاہ مصر)نے آپ کو دو اچھی باندیاں(حضرت ماریہ قبطیہ، حضرت سیرین)اور ایک خچر بطور ہدیہ بھیجا۔اس نے آپ ﷺ کو ایک خط بھی ارسال کیا، جس میں اس ہدیہ کا تذکرہ بھی کیا۔ حضور اکرم ﷺ سے اس کی تردید منقول نہیں ہے۔بحرین میں کسریٰ کے گورنر اسیبخت بن عبداللہ نے غالباً حضور اکرم ﷺ کو خط لکھا، اگر آپ کسی چیز کی فرمائش کریں،تو ارسال کروں گا۔اس کے جواب میں رسول اکرم ﷺ نے تحریر فرمایا۔"اما بعد فانی لا استھدی احدافان تھدی الی اقبل ھدیتک"۔ترجمہ:میں کسی سے ہدیہ طلب نہیں کرتا،اگر تم کوئی ہدیہ بھیجو گے،تو میں قبول کر لوں گا" [15]۔

رسولِ معظم ﷺ سے منقول روایات کے درمیان اہلِ علم نے دو طرح سے تطبیق دی ہے۔

1۔ایک ایسا شخص جس کے بارے میں آپ ﷺ کو احساس ہو، کہ اس کے خیال کے مطابق آپ کی تمام تر جنگی جدوجہد کا مقصد مال ودولت کا حصول ہے۔آپ ﷺ نے ایسے شخص کے ہدیہ کو رد فرما دیا۔اور جس کے بارے میں اخلاص کا یقین ہوا،تو اس کو قبول فرمالیا۔

2۔جس غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنے میں ملی اور دینی غیرت وصلابت کی کمی کا احساس ہو،تو اس کے ہدیہ کو رد فرما دیتے ،اور جہاں ایسا احساس نہ ہوتا،تو اس کو قبول فرمالیتے ہیں۔فقہائے کرام نے انہی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔کہ"ولا یقبل ھدیہ الکفار ان کان یقل صلابتہ معھم بقبولھا"ترجمہ:اگر غیر مسلموں کا ہدیہ قبول کرنے میں کفر اور غیرت ایمانی کے بالمقابل صلابت میں کمی آنے کا اندیشہ ہو،تو ان کا ہدیہ قبول نہ کرے۔

---

[15]-Abne Saad,Tabqaat,Moqe Shabka Al Islamia,Vol-8(187)

The Scholar Islamic Academic Research Journal
Vol. 7, No. 2 || July –December 2021 || P. 34-54
https://doi.org/10.29370/siarj/issue13urduar3

اور اسی طرح اگر غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنے کا مقصد ان کی دل جوئی اور پھر اس کے نتیجے میں اسلام اور اہل اسلام سے قربت کی امید ہو، تو ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔[16]

غیر مسلموں کی دعوت:

اسی طرح غیر مسلموں کی دعوت قبول کرنے یا ان کی دعوت کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی اگر اپنی صلابت ایمانی کے کمزور ہونے کا خطرہ نہ ہو اور شرح صدر بھی ہو۔ تو غیر مسلموں کی ضیافت اور دعوت بھی قبول کی جاسکتی ہے۔
جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے خیبر کے موقع پر ایک یہودیہ عورت کی دعوت بھی قبول کی اور ساتھ بھیجا ہوا گوشت بھی تناول فرمایا۔ اور یہ بھی نہ پوچھا کہ یہ کس کا ذبیحہ ہے؟
مسلمانوں کو اگر غیر مسلموں کے ساتھ کھانے کی ضرورت پیش آجائے، تو ایک، دو بار میں کچھ حرج نہیں۔ البتہ ایسی عادت بنالینا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح کبھی کبھی عام حالات میں غیر مسلم کو دعوت بھی دی جاسکتی ہے، قرابت یا حاجت کی بنا پر کسی غیر مسلم کی ضیافت کرنا جائز ہے۔[17]

غیر مسلموں کے تہواروں کا تحفہ لینا

البتہ غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں میں مثلاً دیوالی، ہولی یا کرسمس وغیرہ کے موقع پر جو تحائف دیے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں قدرے تفصیل ہے، کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور سلف صالحین سے اس سلسلے میں دو قسم کے رجحانات منقول ہیں۔ **فقد قدمنا عن علي بن أبي طالب – ﷺ – أنه أتي بهدية "يوم نيروز" فقبلها.**
وعن عائشة – ﷺ – أنها قالت: "أما ما ذبح لذلك اليوم، فلا تأكلوا، ولكن كلوا من أشجارهم"
حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے، کہ کسی غیر مسلم نے آپ کی خدمت میں "نیروز" کا ہدیہ پیش کیا، تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے قبول فرمالیا۔
مصنف ابن شیبہ کی روایت ہے۔ "کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنھا کی خدمت میں عرض کیا، کہ مجوسیوں سے ہمارے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ وہ ہمیں اپنے تہواروں کے موقع پر ہدیے دیتے ہیں۔ تو فرمایا، کہ اس دن جو ذبیحے ہوتے ہیں۔ اگر وہ ان کا گوشت دیں، تو نہ کھاؤ، البتہ پھل وغیرہ کھاسکتی ہو"۔

16-Ashraf Ali Thanwi,Imdad Ul Ftawaa,Published Dar- Ul- Uloom Karachi,Vol-3(481)
17-Aljasaas,Abu Bakar,Published,Dar Ihya Al Toras Alarbi,Vol-01(62)

The Scholar Islamic Academic Research Journal
Vol. 7, No. 2 || July –December 2021 || P. 34-54
https://doi.org/10.29370/siarj/issue13urduar3

اسی طرح ایک اور روایت حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے، کہ مجوسیوں سے ان کے کچھ روابط تھے۔ان کے پڑوس میں کچھ لوگ آباد تھے، وہ"مہرجان اور نیروز" کے موقع پر تحفے وغیرہ بھیجا کرتے تھے، تو آپ اپنے گھر والوں سے فرماتے، کہ پھل وغیرہ تو کھالو اور باقی چیزیں واپس کردو۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں"کہ ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ تحائف اور ہدایا کے متعلق تہوار سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اور نہ ہی اس سے غیر مسلموں کی معاونت لازم آتی ہے۔اس لئے کہ غیر حربی کافروں کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔خواہ وہ کسی موقع پر بھی دیا جائے۔[18]

لیکن صرف دو جز قابل تعرض کے باقی رہ گئے۔ایک یہ کہ دیوالی کا ہدیہ شاید اس تہوار کی تعظیم کے لئے ہو، جس کو فقہاء کرام نے سخت ممنوع قرار دیا ہے اور دوسرا اس وجہ سے کہ اس میں تصویر بھی ہوتی ہے۔"ان كان اقتناءواحترام مستلزم للتقوم والشبال"لازم آتا ہے، اور بعض تصاویر کے تقوم کی نفی کی گئی ہے۔پہلی بات کا جواب یہ ہے، کہ یہ عادت سے معلوم ہے کہ اس کا دینے کا سبب تہوار کی تعظیم نہیں، بلکہ مہدٰی لہ (جس کو تحفہ دیا گیا ہو) کی تعظیم ہے۔اور دوسری بات کا جواب یہ ہے، کہ مقصود ہدایا میں صورت نہیں بلکہ مادہ ہے۔البتہ یہ ضروری ہے کہ مھدٰی لہ فورًا تصاویر کو توڑ ڈالے۔

جس سے غیر مسلموں کے تہوار کے موقع پر ان سے تحائف قبول کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔"مسلمان کے لئے مناسب نہیں، کہ کافر کا ہدیہ تہوار کے موقع پر قبول کرے اور اگر قبول کرلے تو اس کو ہرگز کوئی تحفہ بدلے میں نہ دے، اور نہ ہی کسی کے ہاتھ بھیجے"۔مذکورہ عبارت میں "فی یوم عید" کا اطلاق مسلم اور غیر مسلم دونوں کے تہوار پر ہوسکتا ہے۔مذکورہ بالا تفصیل کے پیش نظر دونوں رجحانات کے درمیان تطبیق ممکن ہے، کہ غیر مسلموں کے تہواروں کے موقع پر دو طرح کے تحائف آتے ہیں۔

1۔بعض تحائف وہ ہوتے ہیں، جو دیوتاؤں اور بتوں پر چڑھائے جاتے ہیں۔جن کو برادران وطن "پرشاد" کہتے ہیں ،ان کو قبول کرنا جائز نہیں ہونا چاہیے۔

18-Ibne Taimia,Al -Iqtza Alsirat Ul Mustaqim,Darul Elam Alfwaed Linashre Wa Tozeeh.Makka Mokarrama, Vol-01(128)

The Scholar Islamic Academic Research Journal
Vol. 7, No. 2 || July –December 2021 || P. 34-54
https://doi.org/10.29370/siarj/issue13urduar3

2۔اور بعض تحائف وہ ہوتے ہیں۔جو اس موقع پر بچوں کے کھانے کے لئے اور لوگوں میں تقسیم کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔اس قسم کے تحفے قبول کرنے کی گنجائش ہے۔اشرف علی تھانویؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ کے فتاوٰی سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کا خلاصہ یہ ہے،کہ غیر مسلموں کے حالات کے مطابق غیر مذہبی تحائف قبول کرنا جائز ہے۔اور اگر غیر مسلم کی نیت و عمل پر اطمینان نہ ہو، یا حالات اجازت نہ دیں، تو قبول کرنا مناسب نہیں۔اور اسی طرح اگر مذہبی تحائف بتوں پر چڑھائے ہوئے ہوں، تو قبول کرنا جائز نہیں۔اور اگر وہ بتوں پر چڑھائے ہوئے نہ ہوں، تو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

غیر مسلموں کے تہواروں کے موقع پر ان کو تحفے دینا:

بعض معاصر فقہاء کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے، کہ غیر مسلموں کو ہدیے کے بدلے ہدیہ دینا درست نہیں ہے۔اور اسی طرح مذہبی تہواروں کے موقع پر بھی ہدیہ دینے کا جواز معلوم نہیں ہوتا۔اور اسی طرح اس عمل میں اپنی طرف سے پہل کرنا بھی درست نہیں ہے۔ (ایضاًحوالہ بالا)۔

مذہبی تعلقات:

دینِ اسلام کا آفتاب طلوع ہوتے ہی اگرچہ سابقہ ادیان و مذاہب منسوخ ہوگئے، اگرچہ ایک خاص وقت تک کے لئے وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے آسمانی مذاہب تھے۔مگر دینِ اسلام کی آمد سے دیگر سب ادیان کا زمانہ ختم ہوا۔اللہ تعالیٰ کی رضا و تقرب کا ایک ہی راستہ متعین ہوا۔اسی طرح دنیا و آخرت کی بھلائی و کامیابی کا یہی واحد راستہ ذریعہ نجات ٹھہرا۔اگر کوئی قلبی طور پر دینِ اسلام کو قبول کرلیتا ہے، تو دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے۔دینِ اسلام کی حقیقت روشناس ہونے کے باوجود اس کو قبول کرنے سے اعراض کرے، وہ ناکام اور جہنم کا مستحق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔"ومن يبتغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخرة مِنَ الْخَاسرين"[19]

ترجمہ:اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کا متلاشی ہوگا، وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا، اور آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

---

[19]-Al-Qura,Aale Imran,02(85)

The Scholar Islamic Academic Research Journal
Vol. 7, No. 2 || July –December 2021 || P. 34-54
https://doi.org/10.29370/siarj/issue13urduar3

لہذا اہلِ کفر کے بارے میں یہی خیال رکھنا ضروری ہے، کہ وہ بڑی غلطی اور گمراہی میں مبتلا ہیں، اسی حالت میں اگر موت واقع ہوئی، تو جہنم کے مستحق ہوں گے۔ وہ اپنے مذہب کے لحاظ سے کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہوں، مگر دعوتِ اسلام پہنچنے کے بعد اسی کو قبول کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر آخرت میں نجات ممکن نہیں۔ اسی طرح ظاہری اعمال میں کفار کتنے ہی نیکوکار اور پاکباز نظر آئیں۔ مگر ایمان کے بغیر ان کے اعمالِ خیر بھی جسم بے جان کے مترادف ہیں، جن کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں۔

ابو حنیفہؒ کی کتاب "الفقہ الابسط" میں ہے۔" قلت إن قَالَ قَائل لَا اعرف الْكَافِر كَافِرًا قَالَ هُو مثله ۔الخ۔

ترجمہ: میں نے پوچھا، اگر کوئی کہے، کہ میں کافر کو کافر نہیں سمجھتا، تو اس کا حکم کیا ہے ؟ فرمایا" وہ بھی ان کی طرح کافر ہے۔ میں نے پوچھا، اگر کوئی یہ کہے، کہ مجھے کفار کے ٹھکانے کا علم نہیں۔ فرمایا، ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب کا منکر کافر ہے۔

گو جو شخص کفار کو ان کے مقام و مرتبہ میں نہ رکھے یعنی ان کے جہنمی ہونے کا عقیدہ نہ رکھے، وہ انہیں کی طرح ہے۔[20]

وحدتِ ادیان کا نظریہ:

قرآن و سنّت کی بے شمار تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ اسلام کے آفتاب کے طلوع ہو جانے کے بعد کسی اور دین و ملت کو لائقِ حق و اتباع سمجھنا یقیناً غلط اور قطعی حرام ہے۔

اسی طرح آخرت میں عذابِ الٰہی سے نجات پانے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ محمد ﷺ کی رسالت و صداقت اور آپ کی لائی ہوئی شریعتِ مطہرہ کی تصدیق بھی لازم ہے۔ اگر ایمان و اسلام کی دعوتِ حق پہنچنے کے باوجود کوئی یہودی یا نصرانی اس کو قبول نہ کرے، ہاں وہ اپنے دین و ملت کے ساتھ اتنا ہی ہمدرد اور مخلص ہی کیوں نہ ہو، تو وہ کافر اور مستحق کے جہنم ہے۔

وحدتِ ادیان کے فلسفے کا آغاز:

---

[20]-Abu Hanifa,Nouman Bin Sabit,Al Fiqh Ul Absat,Maktaba Alfurqan,Alamaraat Ul Islamia,Published,1999 Vol-01(113)

اٹھارہویں صدی میں یہودی منصوبہ بندی کے ساتھ وحدتِ ادیان کا فلسفہ وجود میں آیا، جس کا بنیادی منشور یہی قرار پایا۔ کہ اسلام ،یہودیت ، نصرانیت اور ہندومت وغیرہ تمام ادیان و مذاہب بر حق ہیں ۔اور تمام لائقِ اتباع ہیں، لہذا کسی کو کسی خاص دین کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ پوری انسانیت کو اختیار حاصل ہے، جو دین چاہے، اختیار کرے۔ بہت سے لوگ اسی فلسفہ وفکر رائج کرنے اور اقوامِ عالم کو یہی تصور دلانے میں مصروفِ عمل رہے ۔اور جو کوئی اپنے دین میں حق کو منحصر سمجھتا، اس کو تنگ نظر، بے جا جمود اور متعصب وغیرہ القابات سے نوازا جاتا تھا ۔جبکہ حقیقت یہ ہے، کہ انصاف واعتدال کے نام پر یہ بڑا غیر دانشمندانہ نظریہ ہے ۔یہودی اس نظریے کے موجد تھے، اور اس کو فروغ دینے میں بھی مصروفِ عمل رہے ہیں ۔ان کا یہ طرزِ عمل دیگر ادیان کے ساتھ کوئی احسان و اعتدال کا جذبہ نہ تھا۔ بھلا جس مخلوق کی سرشت میں ابتدا ہی سے شر وفتنہ اور کینہ وحسد سرائیت کر گیا ہو۔ اس سے یہ امید کیسے کی جاسکتی ہے ؟

ان کا یہ نظریہ تو صرف تاریخ دہرانے کے لئے تھا، جبکہ یہ تاریخی اوراق میں پہلے سے محفوظ ہے، کہ ایسی بد طینت مخلوق نے سیدنا عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد ان کی تعلیمات و دین میں تحریف کر کے اس کو ختم کرنے کے لیے اپنے ہی ایک فرد "پولوس" کو حواری بنا کر پیش کیا۔ جس نے عیسائیت کے نام پر ایک نئے دین کی عمارت قائم کی۔

طلوعِ اسلام کے بعد جیسے ہی موقع ملا، تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد میں عبداللہ بن سبا کو مسلمان ظاہر کر کے دینِ اسلام کو ختم کرنے کے لیے بھرپور کوششیں کی گئیں ۔اس فتنے کے نتیجے میں اس وقت سے لے کر اب تک لاکھوں افراد دینِ اسلام کی نعمت سے محروم ہو کر کفر وضلالت کی گمراہیوں میں بھٹکتے رہے ۔[21]

مذکورہ بالا نصوص کی تصریحات سے معلوم ہوا، کہ دینِ اسلام کی آمد اور اس کی دعوت پہنچنے کے بعد جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو حق اور ذریعہ نجات سمجھے گا، تو اس کا یہ عمل کفر قرار پائے گا۔ جس کے قریب جانے سے بچنا فرض ہے۔

[21]-Mufti,Ubaid Ur Rehman,Ghair Muslimo Ke Sath Mukhtalif Noeeyat Ke Taaloqaat,Published ,Maktaba Rahmania,Jame Masjid Firdos Khan Hoti Mardan,(24)

The Scholar Islamic Academic Research Journal
Vol. 7, No. 2 || July –December 2021 || P. 34-54
https://doi.org/10.29370/siarj/issue13urduar3

کفار کے تہواروں میں شرکت کرنا:

ویسے تو ہر قوم و مذہب کے مختلف تہوار اور مختلف نوعیت کی تہذیبیں ہوتی ہیں۔ان میں سے کچھ تہوار مذہبی طور پر منائے جاتے ہیں۔مسلمانوں کے لیے ان میں شریک ہونا کسی طرح جائز نہیں، بلکہ سخت گناہ ہے۔کیوں کہ عید و تہوار کسی بھی مذہب کے لیے شعار و خصوصیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔جب کہ دینِ اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب کے شعار کو اپنانا شرعی نقطہ نظر سے ناجائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے۔"قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فہو منہم "[22]

ترجمہ: جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ انہی میں سے ہے۔

پھر اگر ظاہری اور عملی طور پر شمولیت نہ ہو، تو اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

1۔دل میں اس کو اچھا سمجھا جائے۔

2۔کسی شرکیہ /کفریہ عمل کا باقاعدہ ارتکاب کرے۔

3۔اس کفریہ رسم و رواج کو مباح و جائز خیال کرے۔

4۔شریعتِ مطہرہ نے اس سلسلے میں جو کچھ قطعی اور تاکیدی نوعیت کے احکام دیے ہیں۔اس کو انسانیت، انصاف کے خلاف خیال کرے۔

یہ عمل صرف گناہ ہی نہیں، بلکہ موجبِ کفر ہے۔جس کی وجہ سے ایمان و اسلام باقی نہیں رہتا۔

کرسمس میں شمولیت

مذہبِ عیسائیت کے پیروکار 25 دسمبر کو کرسمس کے نام پر یومِ پیدائش مسیح کے تصور میں باقاعدہ تہوار مناتے ہیں۔تاریخی، دینی اور عقلی لحاظ سے یہ دعوٰی کہاں تک درست ہے ؟ یہ ایک الگ موضوع ہے، اس پر اہل علم نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

لیکن بہر حال کیونکہ یہ عیسائیوں کا مذہبی تہوار ہے۔اس لیے اس پر خصوصیت کے ساتھ خوشی منانا، مبارکباد دینا، اس میں شمولیت اختیار کرنا، یا اس کے علاوہ اس پروگرام میں شمولیت اختیار کر کے ان کے ساتھ کیک کاٹنا۔یہ سب امور شرعاً ناجائز اور گناہ ہیں۔اگر ان سے اجتناب نہ کیا جائے، تو مزید کفر کا اندیشہ ہے۔

[22]-Abu Dawood,Sonan Abi Dawoow,Hadith No,4031

The Scholar Islamic Academic Research Journal
Vol. 7, No. 2 || July –December 2021 || P. 34-54
https://doi.org/10.29370/siarj/issue13urduar3

علامہ ابن نحاسؒ ایک مقام پر بڑے درد اور افسوس کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

"واعلم أن أقبح البدع وأشنعها موافقة المسلمين للنصارى في أعيادهم بالتشبه بهم في مأكلهم وأفعالهم والهدية إليهم وقبول ما يهدونه من مأكلهم في أعيادهم.وقد عانى هذه البدعة أهل بلاد مصر، وفي ذلك من الوهن في الدين وتكثير سواد النصارى والتشبه بهم ما لا يخفى." جان لو بدترین اور قبیح ترین بدعت یہ ہے۔کہ مسلمان عیسائیوں کے ساتھ ان کے تہواروں میں شریک ہوتے ہیں،ان کے ساتھ کھانے اور دیگر رسومات میں ہدیہ کے لین دین میں مشابہت اختیار کرتے ہیں۔اہلِ مصر اس بدعت میں مبتلا ہیں۔اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں،یہ اس جماعت میں دینِ اسلام کی کمزوری ظاہر کرنے،نصاریٰ کی جماعت بڑھانے اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کے لحاظ سے یہ تین سنگین گناہ موجود ہیں۔[23]

مغربی حکومتوں کے تسلط کی بناپر عصر حاضر میں مسلمانوں کا یہ بہت بڑا المیہ ہے۔اسلامی ممالک اور مسلم معاشرے میں کرسمس کے نام پر مختلف قسم کے اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔ان میں شریک ہونے والے افراد کی بڑی تعداد مسلمانوں کی ہوتی ہے۔اس کو صبر و برداشت اور رواداری کا نام دیا جاتا ہے ۔جو انتہائی افسوس،لائق حیرت اور خطرے کی بات ہے۔

لیکن اس سے بڑی افسوس کی بات یہ ہے۔کہ حال ہی میں وطنِ عزیز کے ارباب حل وعقد نے کرسمس ڈے کی ان تقریبات میں بڑے اہتمام اور فخر کے ساتھ باقاعدہ شرکت کی۔اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے،کہ جو لوگ اس عمل بد سے منع کرتے ہیں،ان پر طرح طرح سے طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔تنقید و تذلیل کا نامبارک یہ سلسلہ بسا اوقات کی قطعی،دینی احکام کے استہزاء و توہین یا استخفاف تک منتج ہوتا ہے۔اس کے نتیجے میں انسان بسا اوقات کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

غیر مسلم کو بھائی کہنا:

اگر کوئی کافر رشتہ ونسب کے لحاظ سے بھائی ہے،تو بیشک اس لحاظ سے اس کو بھائی کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے،اسی طرح ایک قوم و وطن ہونے میں اور نوع انسانی میں شریک ہونے کی وجہ سے کسی کو بھائی قرار دیا جاسکتا ہے۔چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔لیکن دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اخوت اور بھائی

[23]-Ibne Nohas,Tambeeh- Ul- Ghafelin An Aamalil Jahelin Wa Tahzeer Assalekin Min Afaaliljahelin,Dar Ul Kutab Al Ilmia Bairoot,Lubna,Published 1987(500)

Vol. 7, No. 2 || July –December 2021 || P. 34-54
https://doi.org/10.29370/siarj/issue13urduar3

چارے جیسے قریب رشتہ داری کی اصل بنیاد دین پر ہی ہونی چاہیے ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے - **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ**"[24] احادیث مبارکہ میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے ،یہی وہ معیاری اخوت ہے، جس میں کسی قسم کے فاصلے بھی رکاوٹ نہیں بنتے، بلکہ زمین کے کسی کونے پر بھی کوئی مسلمان ہو، رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر کرہ ارض پر رہنے والے تمام مسلمان بھائی ہیں۔

کفار کے ساتھ قلبی میلان کی نوعیت:

کفار کے ساتھ قلبی میلان رکھنا حرام ہے، پھر اس کے ساتھ اگر اس محبت کی بنیاد ان کے کسی باطل عقیدہ و دین کو بہتر سمجھنا ہے، تو یہ واضح کفر ہے۔البتہ اگر دین و عقیدہ کے علاوہ کسی احسان یا دنیاوی خوبی کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے، تو یہ عمل کفر تو نہیں، البتہ شرعی نقطہ نظر سے یہ بھی ممنوع ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ : کفار کے ساتھ محبت ممنوع ہونے کے لئے ان کے کفریہ عقائد ہونا کوئی قید نہیں، جیسا کہ عموماً تصور کیا جاتا ہے۔ بلکہ اختیاری طور پر کافر سے محبت رکھنا مطلقاً جائز نہیں۔اس کی بنیاد خواہ کچھ بھی ہو۔البتہ فرق یہ ہے ،کہ کفریہ عقائد کی وجہ سے محبت رکھنا صرف ناجائز ہی نہیں، بلکہ موجبِ کفر بھی ہے۔جب کہ دنیاوی امور کی بنا پر محبت رکھنا موجبِ کفر تو نہیں۔البتہ ممنوع ضرور ہے۔ کفر کے اسباب و ذرائع کی محبت اخلاقاً، شرعاً اور عقلاً ہر طرح ممنوع و مذموم ہے۔

اگر کفار سے محبت کی بنیاد دین وہ مذہب کا کوئی قضیہ نہ ہو۔ بلکہ محبت کا آغاز دنیاوی امور کی بنا پر ہوا ہو۔ لیکن یہی دوستانہ تعلقات اور محبت ہی آہستہ آہستہ کفر، شعائر کفر اور اس کے نظریات کی طرف لے جانے کا سبب بنیں۔ جس کے بعد اگر انسان خود عملی طور پر ایسا کوئی قدم نہ اٹھائے، تو بھی کم از کم کفر کے متعلقات سے نفرت و تنفر اور اس کی قباحت و شناعت کا کمزور احساس ضرور چلا آتا ہے۔اس لئے کہ کسی چیز کی محبت انسان کو اس کے نقصانات اور انجام کار سے بہرہ بنا کر چھوڑ دیتی ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر فقہائے کرام نے کفار کے ساتھ الفت و محبت کے تمام تعلقات کو ناجائز قرار دیا۔اگرچہ اس کی بنیاد کفر سے محبت نہ بھی ہو۔ بعد ازاں جس کے نتائج بھیانک شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔

کفار کے اکرام اور تعظیم کا حکم

[24]-Al-Quran,Alhujurat,49(10)

The Scholar Islamic Academic Research Journal
Vol. 7, No. 2 || July –December 2021 || P. 34-54
https://doi.org/10.29370/siarj/issue13urduar3

محبت ہی کا ایک نتیجہ احترام اور تعظیم بھی ہے۔ جب کسی کی محبت دل میں جا گزیں ہو جاتی ہے، تو ساتھ ہی محبوب کا احترام واکرام اور تعظیم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس مقام و مرتبہ میں تفوق کا اصل منشاء محبت واعتقاد ہے۔ مزید تعظیم کی وجہ سے وہ بنیادی جذبہ محبت کو تقویت ملتی ہے۔ اور دیگر مسلمانوں کے لیے اس معاملے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بھی جائز نہیں۔

کافر کی تعریف و مدح کرنا:

احترام اور تعظیم کی ایک صورت تعریف کرنا بھی ہے، لہٰذا جو حکم کافر کے احترام اور تعظیم کا ہے۔ وہی حکم اس کی تعریف و مدح کا بھی ہے۔ اگر قلبی محبت سے کسی کافر کی تعظیم کرے یا کسی مخاطب کے دل میں بغیر ضرورت کے اس کی محبت و تعظیم پیدا کے لیے کافر کی تعریف کرے، تو یہ جائز نہیں۔

غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں شرکت:

غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات اور مذہبی میلوں میں شرکت یا ان کے عبادت خانوں میں مسلمانوں کا نمائندگی یا تفریح کی نیت سے جانا جائز نہیں ہے۔ البتہ تجارت کی غرض سے جانا، جب کے وہاں معصیت کا اندیشہ نہ ہو، تو اس کی گنجائش ہے۔

خلاصہ کلام:

اسلام جس نظریے اور پیغام کا داعی ہے، وہ صرف مذہبی رسوم اور عقائد ہی نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے پاس ایک ایسا منضبط ، مرتب اور منظم قانون بھی ہے، جس نے بڑے استحکام کے ساتھ اسلام کی حدود اور بنیادوں کا ہر بحران کے دوران تحفظ کیا۔ قانون کے علاوہ اسلام کے پاس ایک ایسی ترقی یافتہ تہذیب و تمدن کی آماجگاہ بھی ہے، جو مسلمانوں کے ثقافتی تحفظ کی محافظ ہے، اس کے پاس کردار و عمل کے سنہری اصول اور ایک متعین ثقافت بھی ہے، یہ تمام امور مل کر ایک ایسے انسانی مزاج کی تشکیل کرتے ہیں، جس کی مؤثر موجودگی میں کشمکش کے اسباب مسلمانوں کے ہاں پیدا ہی نہیں ہو سکتے۔ البتہ جہاں جہاں مغربی تہذیب کی اجارہ داری ہو گی ، وہاں معاشرے کو تباہ کرنے کے اسباب بھی پیدا ہوں گے۔